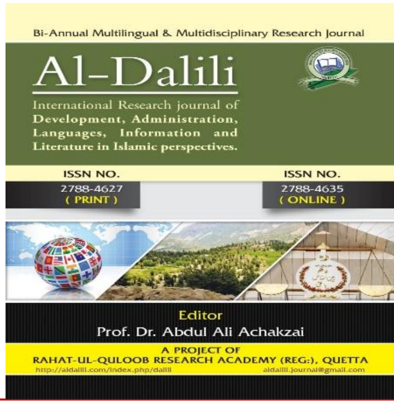

OPEN ACCESS

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

AL DALILI

Bi-Annual, Multilingual (Arabic, Balochi, Birahvi, English, Pashto, Persian,Urdu)

ISSN: 2788-4627 (Print), ISSN: 2788-4635 (online)

Project of **RAHATULQULOOB RESEARCH ACADEMY,**

Jamiat road, Khiljiabad, near Pak-Turk School, link Spini road, Quetta, Pakistan.

Website: www.aldalili.com

Approved by Higher Education Commission Pakistan

Indexing: » IRI (AIOU), Tahqeeqat, Euro pub, MIAR.

TOPIC

مقننہ کے ممبران کا تقرر اور دائرہ اختیار ایک تحقیقی جائزہ

A review of the appointment and jurisdiction of members of the legislature

AUTHOR

1. Dr. Sadia Noreen, Lecturer of Islamic studies, The Government Sadiq College Women University Bahawalpur, Pakistan
   Email: sadianoreen611@gmail.com
2. Dr. Hafiz Muhammad Ishaq, School education Department Bhakkar, Pakistan Email: muftiishaq@gmail.com

How to Cite: Dr. Sadia Noreen, & Dr. Hafiz Muhammad Ishaq. (2022). URDU: مقننہ کے ممبران کا تقرر اور دائرہ اختیار ایک تحقیقی جائزہ: A review of the appointment and jurisdiction of members of the legislature. *Al-Dalili*, *4*(1), 34–48. Retrieved from https://aldalili.com/index.php/dalili/article/view/84

URL: https://aldalili.com/index.php/dalili/article/view/84

Vol.4, No.1 || July–December 2022 || URDU: Page. 34-48

Published online: 11-08-2022

QR. Code

مقننہ کے ممبران کا تقرر اور دائرہ اختیار ایک تحقیقی جائزہ

A review of the appointment and jurisdiction of members of the legislature

[1]سعدیہ نورین [2]حافظ محمد اسحاق

ABSTRACT:
It is the principle of the Islamic system that the shura is the most important factor in its establishment and perpetuation. If there is no clear text in any issue related to individual or politically educational and economics and sociology, then consultation is the most important element of its solution. In the Islamic system of government, the Shura Committee has superiority over the administrative bodies and leads them, while the Shura Committee of the current Pakistani government has limited responsibilities and fewer powers than the Shura in Islam. The head of state is bound by the shura despite having education and training based on divine support and revelation.
Keywords: state, parliament, shura, caliph, powers

اسلام ایک کامل اور اکمل دین ہے۔ اسلام نے نجی معاملات سے لیکر سیاسی معاملات تک مکمل راہنمائی کی ہے۔ دین اسلام میں قرآن وحدیث ایسے دائمی نصوص اور دستور ہیں جن کو تبدیل یا ترمیم نہیں کیا جاسکتا ہے یقینی طور پر قرآن وحدیث میں اسلامی ریاست کے لئے راہنما اصول موجود ہیں۔ اسلامی ریاست کے تین اہم بنیادی ستون ہیں۔ مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ۔ ان تمام اداروں میں سے مقننہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے کیونکہ مقننہ ایک سپریم ادارہ ہے جہاں قانون سازی کی جاتی ہے۔ آنے والے صفحات میں قانون سازی میں مجلس شوریٰ کے کردار کا جائزہ لیا جائے گا۔ نیز اس سلسلہ میں مغربی اور مسلم مفکرین کی آراء کا بھی جائزہ لیا جائزہ لیا جائے گا۔

کسی بھی ریاست کا دارومدار اس کے اداروں پر منحصر ہوتا ہے اگر ریاست کے تمام ادارے اپنے اپنے مقام پر قانون کے مطابق کام کر رہے ہیں تو وہ صحیح معنیٰ میں فلاحی ریاست کہلوانے کی حق دار ہے۔ ریاست کے تین اہم ستون ہیں: مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ۔

مذکورہ تین اداروں میں سے مقننہ کا کردار صف اول کا حامل ہے کیونکہ مقننہ (پارلیمنٹ) کے ذریعے قانون سازی ہوتی ہے اور عصر حاضر میں جب ہر طرف جمہوریت کا ہی راگ الاپا جارہا ہے تو اس دور میں مقننہ کا کردار اور اہمیت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی ہے۔ مروجہ سیاسی نظام میں وہی مملکت کامیاب اور ترقی کی طرف گامزن ہو سکتی ہے جس کی مقننہ موجودہ حالات اور وقت کی ضرورتوں کے مطابق قانون سازی کرے اور نظام مملکت کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے ماڈرن نظام میں ڈھالنے کی کوشش کرے۔ ذیل میں اسلامی ریاست میں مقننہ کا کردار، خدوخال اور عصر حاضر میں اسکی ضرورت واہمیت کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مقننہ کا معنیٰ ومفہوم:

مقننہ کیلئے اردو میں "قانون" جبکہ انگریزی میں "Legislation" استعمال ہوا ہے اور یہ لفظ قانون کا مترادف ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر مختار قاضی لکھتے ہیں: واما التشریع فی لغۃ "القانون" ومترادفۃ کلمۃ "Legislation" واصل کلمۃ ھذہ الکلمۃ Laxiatum وھی

كلمة لا طينية [1]۔یعنی مقننہ لغت میں Legislation کا مترادف ہے اور یہ اصل میں لاطینی لفظ Laxiatum سے نکلا ہے۔مقننہ کی مختلف محققین نے اپنے نقطہ نظر کے مطابق تعریف ذکر کی ہے۔مظہر الحق نے مقننہ کا معنی "قوانین تجویز کرنا" اور "تشکیل دینا" بیان کیا ہے۔

The Bodies of People who make the laws are called ‘‘Legislature’’ means proposing of law; the chief function of every legislature is to make laws.[2]

ترجمہ: لوگوں کی ایسی جماعت جو قوانین بناتی ہے اس کو مقننہ کہا جاتا ہے۔" حق "کو قانون ساز کہا جاتا ہے اور ان کا کام قانون تجویز کرنا ہے کیونکہ ہر مقننہ کا اصل مقصد قوانین کی تشکیل ہے۔

عصر حاضر میں قانون سازی یا مقننہ کے لیے جو پلیٹ فارم استعمال کیا جاتا ہے تو اکثر جمہوری ممالک می اس کو پارلیمنٹ کا نام دیتے ہیں اور عصر حاضر میں پارلیمنٹ میں بطور ممبر شامل ہونا ہر شہری کا بنیادی حق تسلیم کیا گیا ہے۔

Parliament is part of the basic right of every citizen.[3]

ترجمہ: پارلیمنٹ میں (بطور ممبر) شامل ہونے کا ہر شہری کا حق حاصل ہے۔

شوریٰ کا مفہوم:

اسلامی سیاست میں مقننہ کے لیے مجلس شوریٰ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ابن فارس نے درج ذیل معانی ذکر کئے ہیں:

ابداء الشئی، واظهاره وعرضه والاخر اخذ الشئی۔۔۔۔۔ وقال بعض اهل الغة من هذا الباب شاوت فلاناً فی امری[4]

ترجمہ: کسی چیز کی ابتداء یا ظاہر کرنا یا کسی پر پیش کرنا اور ایک معنیٰ کسی چیز کو پکڑنا بھی ہے۔بعض اہل لغت کا یہ بھی بیان ہے اسی باب سے ہے کہ میں نے فلاں سے مشورہ کیا ہے۔

قاضی ابو بکر ابن العربی اصطلاحی تعریف یوں ذکر کرتے ہیں:

الاجتماع علی الامر لیستشیر کل واحد صاحبه[5]

ترجمہ: کسی بھی مسئلہ ہر لوگوں کو جمع کرنا تاکہ ہر شخص اپنا اپنا مشورہ بیان کر سکے۔

مذکورہ بالا شوریٰ کی تعریف مطلقاً ہے لیکن علم سیاست کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو اس ضمن میں کئی تعریفات ہیں۔اس ضمن میں ڈاکٹر توفیق الشاوی بہت ہی مناسب انداز مین تعریف ذکر کرتے ہیں:

مجلس شوریٰ کا لفظ اجتماعی قرار دادوں تک محدود نہیں ہے جو ریاست یا حکومت کے نظام سے متعلق ہوں۔[6]

کسی بھی مسئلہ پر مشاورت کا طلب کرنا قرآن وحدیث کی رو سے ثابت ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر شوریٰ اور مشاورت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۔[7]

ترجمہ: اور ان سے ہر معاملہ میں مشورہ کرتے رہو پس جب تم عزم وارادہ کرلو تو پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔ اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

کسی بھی اہم مسئلہ پر رائے کا طلب کرنا یا مخصوص لوگوں سے مشورہ کرنا بھی مشاورت میں شامل ہے جیسا احادیث سے ثابت ہے کہ:

المستشار مؤتمن[8]۔یعنی مشورہ دینا ایک امانت ہے۔

ما یستغنی رجل عن مشورۃ[9]۔یعنی کوئی بھی شخص مشورہ لینے سے مستغنی نہیں ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال ما رائیت احداً اکثر مشورۃ لا صحابہ من رسول اللہ۔[10]

ترجمہ: حضرت ابو ھریرہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی پاک ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص مشورہ لینے والا نہیں دیکھا ہے، آپ صحابہ کرامؓ سے مشورہ طلب کرتے تھے۔

نبی پاک ﷺ نے بہت سے مقامات پر صحابہ کرام سے مشورہ کیا ہے۔جیسا کہ ذیل میں چند ایک مثالیں پیش خدمت ہیں۔آپ نے جو مشورے جو صحابہ کرام سے لیے تھے تو پھر ان پر عمل بھی کرتے تھے۔ نبی پاک ﷺ نے بدر میں مشرکین سے جنگ کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا[11]۔ غزوہ احد میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ طلب کیا کہ مدینہ میں رہ کر اپنا دفاع کیا جائے یا دشمنوں کی طرف نکلا جائے۔نبی پاک ﷺ نے تمام صحابہ کرام سے مشورہ لیا۔[12]

اگر خلافت راشدہ کی بات کی جائے تو خلفاء راشدین بھی باقاعدہ طور پر مقننہ یا مجلس شوریٰ سے مشورہ طلب کرکے اہم فیصلے کرتے تھے اس سلسلہ میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کی مجلس شوریٰ کے بارے میں ایک روایت ملاحظہ ہو۔

عن میمون بن مھران قال کان ابوبکر الصدیق اذا ورد علیہ امر نظر فی کتاب اللہ فان وجد فیہ ما یقضی بہ قضیٰ بینھم وان علمہ من سنت رسول اللہ قضیٰ بہ وان لم یعلم خرج فسأل المسلمین عن السنۃ فان اعیاہ ذلك دعا رؤوس المسلمین وعلماءھم واستشارھم وکان عمر بن الخطاب یفعل ذلك۔[13]

ترجمہ: حضرت میمون بن مہران بیان کرتے ہیں حضرت ابو بکر صدیق کو کوئی بھی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ قرآن مجید میں تلاش کرتے اگر قرآن مجید میں مل جاتا تو اسی کے مطابق فیصلہ کرتے بعد میں سنت رسول کے مطابق فیصلہ کرتے۔اور اگر سنت رسول میں بھی اس کا حل نہ پاتے تو عام مسلمانوں سے اس کے متعلق سنت رسول کا پوچھتے اور اگر پھر بھی سنت رسول نہ ملتی تو پھر آپ بڑے بڑے صحابہ کرام اور علماء لوگ کو بلاتے اور ان سے مشورہ طلب کرتے اور حضرت عمر بن خطاب بھی اس طرح مشورہ کرتے تھے۔

اہل حل وعقد کی اصطلاح کا جائزہ:

عمومی طور پر اہل حل وعقد سے مراد "معاشرہ کے وہ لوگ جو راہنما، سردار اور لیڈر شمار ہوتے ہوں اور عوام دنیاوی معاملات میں ان کی اتباع کرتی ہو۔" خلیفہ کی مقبول ہونے یا نہ ہونے کے لئے ایک پیمانہ یہ بھی تھا کہ اہل حل وعقد میں سے لوگ خلیفہ کی بیعت کریں۔ جیسا کہ الجزری لکھتے ہیں:

واتفق الائمۃ علیٰ ان الامامۃ تنعقد ببیعۃ اھل الحل والعقد من العلماء والرؤساء ووجوہ الناس الذین یسیر اجتماعھم۔[14]

ترجمہ: ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امامت ایسے اہل حل وعقد کی بیعت سے منعقد ہو جاتی ہے جو علماء، سرداروں اور اصحاب عزت ومرتبہ لوگوں میں سے ہوں۔اور ان کا کسی مسئلہ پر جمع ہونا بھی آسان ہو۔

ابن نجیم نے علماء مجتہدین کا اضافہ کیا ہے۔ جیسا کہ لکھتے ہیں:

تنعقد بیعۃ اھل الحل والعقد من العلماء المجتھدین والرؤساء-[15]

ترجمہ: اہل حل وعقد یعنی مجتہد علماء کا گروہ اور سرداروں کی بیعت سے امامت منتخب ہو جاتی ہے۔

اہل حل وعقد میں کون کون لوگ شامل ہیں؟ سادہ سا معنی یہ ہے کہ اس سے مراد اصحاب اقتدار اور اختیار والے لوگ ہیں جن کے پاس سے مال ودولت کے علاوہ معاشرہ میں پذیرائی اور عزت بھی حاصل ہو۔ اہل حل وعقد کو "موسوعہ فقھیہ" میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

یطلق لفظ اھل الحل والعقد علیٰ اھل الشوکۃ من العلماء والرؤ سأووجوہ الناس الذین یحصل بھم مقصود الولایۃ وحلو القدرۃ والتمکن وھو ماخوذ من حل الامور وعقدھا۔[16]

ترجمہ: اہل حل وعقد کا لفظ ان صاحب شان وشوکت افراد کے لیے بولا جاتا ہے جو علماء، سرداروں اور اصحاب عزت ومرتبہ لوگوں میں سے ہوں اوران کے ذریعے ولایت یعنی اقتدار اور عظمت حاصل ہو۔ یہ لفظ حل الامور یعنی مختلف امور کھولنے اور وعقدہا یعنی بند کرنے والوں سے ماخوذ ہے۔

عصر حاضر میں اہل حل وعقد میں معروف علماء ملازمین وبیوکریٹ، کاروباری حضرات، سماجی قائدین مختلف قبائلی عمائدین، جاگیردار، گدی نشین، دینی راہنما، انتظامیہ وفوج کے جرنیل وغیرہ کو اہل حل وعقد کہا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مروجہ مجلس قانون ساز اور اسکا مجلس شوریٰ میں مماثلت تو ہے مگر اس میں فرق بھی کافی زیادہ ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مطابق مقننہ اوراہل حل وعقد میں کوئی فرق نہیں ہے:

مقننہ (Legislature) بھی وہ چیز ہے جسے ہمارے ہاں کی قدیم اصطلاح میں اہل الحل والعقد کہا جاتا ہے۔ اس کے معاملہ میں یہ بات بالکل صاف ہے کہ جو ریاست اللہ اور رسول کی قانونی حاکمیت مان کر بنائی گئی ہو۔ اس ریاست میں مقننہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کی ہدایات کے خلاف اپنے اجماع سے بھی کوئی قانون سازی کرنے کی مجاز نہیں ہو سکتی۔[17]

شوریٰ کی اقسام:

مشاورت جن امور میں کی جاتی ہے ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ جو عمومی نوعیت کے مسائل کے لئے مشورہ طلب کیا جاتا ہے۔ جیسے قاضی یا جج کا علماء ومفتیان کرام سے مشورہ لینا۔ اس قسم کی مشاورت یا اس کے نتیجہ میں ہونے والے فیصلوں پر عمل درآمد کرنا لازمی اور ضروری نہیں ہوتا ہے۔ دوسری وہ قسم ہے جس میں کسی مسئلہ کے متعلق مشاورت کے نتیجہ میں فیصلہ ہو جائے تو اس پر عمل کرنا لازمی ہوتا ہے۔ اسی پس منظر میں ڈاکٹر توفیق الشاوی نے شوریٰ کی تین قسمیں گنوائی ہیں۔ جن کے فیصلے غیر معمولی نوعیت کے ہوتے ہیں اور ان پر عمل کرنا لازم ہو جاتا ہے وہ تین اقسام ملاحظہ ہوں۔

الاول:

تشاور الامۃ اوالجماعۃ اومن یمثلونھا من اھل الحل والعقد یشان قرار سیاسی او اجتماعی-------- مثل اختیار رئیس اولی الامر او ای شان اخر ھا من الشوؤن العامۃ وصدوقرار بالاجماع او الاغلبیۃ منھم فقرارھم فی مفدہ الحالۃ من قرارات الشوریٰ الجماعۃ الملزمۃ۔

ترجمہ: امت یا جماعت کے نمائندہ لوگ یعنی اہل حل وعقد کی تنظیم کی کسی سیاسی یا معاشرتی مسئلے سے متعلق اجتماعی قرار داد کے بارے میں باہمی مشورہ کرنا۔ مثلاً صدر یا کسی صاحب حکم کو تعینات کرنا یا ان کے علاوہ دیگر اجتماعی معاملات میں سے کسی ایک مسئلہ پر باہمی مشورہ کرنا اور پھر سب کے یا جمہور کے اتفاق سے کسی بھی مسئلہ کے متعلق قرارداد کا پاس کرنا، اور ان کے حالات میں یہ فیصلہ ایسے ہو گا جس کو اجتماعی شوریٰ کہا جائے گا۔

الثاني:

تشاور مثل الامة اهل الحل والعقد المفوجي من الامة لوضع نظامها الدستورى أو قوانينها السياسة أو تحديد شروط البيعة عن تولى الامر او الرياسة إذا توصلوا القرار با جماء الكافة او اجماء الجمهور وهذه حالة من حالات الشوریٰ الفقهية الدستورية الملزمة لا نها تقع قانوناً اساسياً أو دستورياً۔

ترجمہ: امن کے ان نمائندہ اہل حل وعقد (پارلمنٹرین) کی مشاورت کہ جن کو جمہور نے اپنے دستوری نظام یا بنیادی قوانین کو وضع کرنے یا صاحب حکم اور صاحب اقتدار کی بیعت کی شرائط کی تحدید کے لیے مقرر کیا ہو۔ جب تمام یا اکثر ممبران اہل حل وعقد کا کسی قرار داد پر اتفاق ہو جائے تو یہ ایک ایسی فقہی اور دستوری شوریٰ ہو گی کہ جس کا نفاذ لازم ہے کیونکہ یہ شوریٰ بنیادی قوانین یا دستور وضع کرے گی۔

الثالث:

قرار المجتهدين واهل العلم باستنباط حكم فقهي فيما لم يرد بشأنه نص في الكتاب والسنة اذا صدر بالا جماء واقرته الامة بالاجماء ويكون هذا حكماً فقهياً ملزماً لا نه اجماء -[18]

ترجمہ: مجتہدین اور اہل علم و محققین کی جماعت کا کسی ایسے فقہی حکم کو مستنبط کرنے میں کہ جس کے بارے میں قرآن وسنت میں کوئی نص وارد نہ ہوئی ہو اس پر اتفاق کر لینا۔ اور اگر یہ اتفاق رائے مجتہدین کے اتفاق سے ہوتا ہے اور اس پر عامۃ الامۃ بھی متفق ہے تو یہ بھی ایک لازمی فقہی حکم ہو گا۔ اور اس کو عرف عام میں اجماع کہتے ہیں۔

ڈاکٹر توفیق الشاوی کی درج بالا عبارات سے جو بات سمجھ میں آتی ہے کہ کسی بھی مسئلہ کے متعلق اجتماعی اجتہاد جو مجلس شوریٰ کے نتیجہ میں قرار پاتا ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں اور اسی کو قانون سازی کا درجہ ملنا چاہیے۔

پہلی قسم: وہ جو کسی بھی اسلامی ریاست کی مجلس شوریٰ / پارلیمنٹ ہو جو اجتماعی اجتہاد اور قانون سازی کے لیے قائم کیا گیا ہو اور اس قسم کو مقننہ کہتے ہیں۔

دوسری قسم: وہ جو سرکاری سرپرستی میں علماء، محققین، ججز یا ماہرین فن کی جماعت ہو جو مختلف مسائل کے متعلق قانون سازی کرے یا قانون سازی کے لئے مشورہ دے۔ جیسے پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل اور سعودی عرب میں کبار العلماء اہم سرکاری ادارے ہیں۔

تیسری قسم: جو غیر سرکاری طور پر مختلف ممالک یا کسی ملک کے علماء مجتہدین کا جمع ہو کر کسی مسئلہ کے متعلق فیصلہ کرنا، تجویز دینا یا فتویٰ دینے کو اجتماعی اجتہاد کہتے ہیں۔ ڈاکٹر توفیق شاوی کی تحقیق کے مطابق ریاست کے استحکام کیلئے ضروری ہے کہ ایسے اداروں کی رائے کا احترام کیا جائے اور ان کے فیصلہ جات کو پارلیمنٹ میں لایا جائے۔ اس کی مثال جیسے انڈیا میں اسلامی فقہ اکیڈمی اور مکہ المکرمۃ میں المجمع الفقھی الاسلامی ہیں۔

مقننہ کا دائرہ کار:

مقننہ یا مجلس شوریٰ کی مشاورت کا دائرہ کار صرف دنیاوی و انتظامی امور ہیں یا پھر وہ دینی امور اور مسائل کے متعلق بھی مشاورت یا فیصلہ کر سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں مقننہ کے دائرہ کار کی تعین ضروری ہے۔ اسلامی ریاست میں ہر ادارہ اور ہر شخص کی حدود و قیود مقرر ہیں، مجلس قانون ساز یا مقننہ کے دائرہ کار کے متعلق سید ابو الاعلیٰ مودودی کے تحریر کردہ ان چار قواعد کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ جس سے مقننہ کا دائرہ کار معلوم ہو جاتا ہے۔

1: جن معاملات میں اللہ اور رسول کے واضح اور قطعی احکام موجود ہیں، ان میں مقننہ کوئی ردوبدل نہیں کر سکتی، مگر یہ کام مقننہ ہی کا ہے کہ ان کے نفاذ کے لیے ضروری قواعد وضوابط (Rules and Regulations) مقرر کر دے۔

2: جن معاملات میں کتاب و سنت کے احکام ایک سے زیادہ تعبیرات کے متحمل ہوں، ان میں مقننہ ہی یہ طے کرے گی کہ کون سی تعبیر کو قانونی شکل دی جائے۔ اس غرض کے لیے ناگزیر ہے کہ مقننہ ایسے اہل علم پر مشتمل ہو جو تعبیر احکام کی اہلیت رکھتے ہوں، ورنہ ان کے غلط فیصلے شریعت کو مسخ کر ڈالیں گے۔ لیکن یہ سوال رائے دہندوں کی صلاحیت انتخاب سے تعلق رکھتا ہے۔ اصولاً یہ ماننا پڑے گا کہ قانون سازی کی غرض کے لیے مقننہ ہی مختلف تعبیرات میں سے ایک کو ترجیح دینے کی مجاز ہے اور اسی تعبیر سے قانون بنے گی، بشرطیکہ وہ تعبیر کی حد سے گزر کر تحریف کی حد تک نہ پہنچ جائے۔

3: جن معاملات میں احکام موجود نہ ہوں ان میں مقننہ کا کام یہ ہے کہ اسلام کے اصول عامہ کو پیش نظر رکھ کر نئے قوانین وضع کرے یا اگر ان کے بارے مین پہلے سے مدون کئے ہوئے ہوں۔ قوانین کتب فقہ میں موجود ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر لے۔

4: جن معاملات میں کوئی اصولی رہنمائی بھی نہ ملتی ہو ان میں یہ سمجھا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قانون سازی میں آزاد چھوڑ دیا ہے، اس لئے ایسے معاملات میں مقننہ ہر طرح کے مناسب قوانین بنا سکتی ہے، بشرطیکہ وہ کسی شرعی حکم یا اصول سے متصادم نہ ہوتے ہوں۔ اس معاملے میں اصول یہ ہے کہ جو کچھ ممنوع نہیں ہے وہ مباح ہے۔[19]

عصر حاضر میں مقننہ اور پارلیمنٹ کا دائرہ کار:

عصر حاضر میں جمہوری ممالک میں مقننہ کا کردار اور دائرہ کار وسیع ہو رہا ہے جمہوریت کے حامل افراد اور محققین کا کہنا ہے کہ طاقت کا سرچشمہ فرد واحد کے ہاتھ میں ہونا غلط ہے۔ وزیر اعظم اور صدر کو بطور جمہوریت کے نمائندہ کے طور پر تسلیم کیا جارہا ہے۔ جہاں تک اختیارات کا تعلق وہ تمام کے تمام اختیارات پارلیمنٹ کو حاصل ہیں۔ عصر حاضر میں پارلیمنٹ کو غیر معمولی اختیارات حاصل ہیں۔ ملک کے چھوٹے سے چھوٹے مسئلہ کے متعلق رائے شماری اور قانون سازی کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ سربراہ مملکت بھی اگر کوئی حکم جاری کرتا ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ کم از کم کابینہ سے منظوری حاصل کرے۔ جیسے پاکستان میں وزیر اعظم کے تمام اختیارات کی منظوری کا کابینہ سے منظور ہونا ضروری ہے۔ جمہوریت کے حامل ملکوں میں پارلیمنٹ کو برتری ہے۔ ہیر من بیو مقننہ کا کردار ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"The role of legislature in a democratic state is kept on increase. In recent age, its role is not restricted. Just to legislation but also plays a vital role in the selection of top executives check over executive through criticizing the administrative policies, asking

questions, custodian of purse of nation by determines the nature and amount of taxes, appropriations and so on.[20]

ترجمہ: ایک جمہوری ریاست میں مقننہ کا کردار بڑھتا جارہا ہے۔ عہد جدید میں اس کا کردار صرف قانون سازی تک محدود نہیں ہے بلکہ حکام اعلیٰ کے انتخاب کی تفتیش، انتظامی پالیسیوں پر تنقید کے ذریعے انتظامیہ کا احتساب، سوال کرنا، ٹیکسوں کی رقم اور اس کے تناسب کو مستقل کرکے عوام کے مال کی نگہبانی کرنا، حق داروں کا حق ادا کرنا اور اس طرح کے کاموں میں یہ اپنا اہم کردار ادا کرتی ہے۔

ججز کا قانون سازی میں کردار:

اصولی طور پر تو یہ ہونا چاہیے کہ قانون سازی صرف پارلیمنٹ ہی کرے۔ اور پارلیمنٹ کے ممبران کیلئے شرائط وضوابط میں سے یہ بھی ہو کہ شوریٰ کے اراکین قانون، لاء اور فقہ کو جانتے ہوں مگر عصر حاضر میں ایسا نہیں ہے حتیٰ کہ پاکستان سمیت کئی پارلیمانی ممالک میں شوریٰ کے ممبران کے لئے سرے سے تعلیم کی شرط نہیں ہے۔ لہذا بہتر ہو گا کہ قانون سازی میں عدلیہ سے بھی مشاورت لی جائے، پاکستان کے آئین میں یہ بھی شق ہے کہ پارلیمنٹ یا وزیر اعظم عدلیہ سے ہدایات لے سکتا ہے۔ اسی طرح مغربی مفکرین بھی قانون سازی میں ججز کی شرکت کو معیوب نہیں سمجھتے ہیں۔ مغربی مفکرین کی آراء میں پارلیمنٹ ہی اقتدار اعلیٰ کے اختیارات رکھتا ہے۔ اس ضمن میں برنٹ (Barnett) قمطراز ہیں:

"Parliament is the sovereign law-making body and accordingly the judges are constitutionally subordinate to parliament. However, it has always been the case that judges contribute to the law-making process, both through the development of the common law and through statutory interpretation. From the perspective of the separation of powers. It is important to understand the apparent paradox of judges, the judiciary, making law a function of the legislature. [21]

ترجمہ: فقہی اختلافات اور قانون سازی پاکستان سمیت اکثر اسلامی ممالک میں مختلف فقہی مذاہب کے حامل رہتے ہیں۔ لہذا اسلامی قوانین کی تشکیل کے لئے ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ مختلف ممالک کے لوگ ایک دوسرے کی رائے کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ اس مسئلہ کا حل ڈاکٹر علامہ اقبال نے یہ بیان کیا ہے کہ ملکی نوعیت کے حامل معاملات کے بارے میں پارلیمنٹ ہی قانون سازی کرے۔

"The Transfer of the power of Etihad from the individual representative of school to a Muslim legislative assembly which in view of the growth of opposing sects in the only possible form Ijma from lay men who happen to possess a deep insight into affairs. In this way alone we can stir into activity the dormant spilt of life in our legal system end give it an evolutionary outlook"[22]

ترجمہ: فقہی مسلکوں کے انفرادی نمائندوں سے اجتہاد کا اختیار لے کر ایک مسلم قانون ساز اسمبلی کو منتقل کر دیا جائے۔ متحارب فرقوں کے پیدا ہو جانے کے پیش نظر عہد جدید میں یہی ایک صورت ممکن ہے جو اجتہاد اختیار کر سکتا ہے اور صرف اسی شکل میں عوام کی شرکت کو قانون سازی کے خوابیدہ روح کو از سر نو فعال اور متحرک بنا کر اسے ارتقائی شکل دے سکتے ہیں۔

اعضائے ریاست کا باہمی ربط و تعلق:

زیر تحقیق مقالہ کے آغاز میں ریاست کے تین ستون ذکر کئے گئے ہیں۔ ان کا آپس میں بہت ہی گہرا تعلق ہے۔ مقننہ کا کام قانون سازی ہے جبکہ انتظامیہ و دیگر ریاستی اداروں کو گائیڈ لائن فراہم کرنا بھی ہے۔ اور انتظامیہ کا کام ان پالیسوں پر عمل درآمد کرنا ہے جبکہ عدلیہ کا کام

انصاف فراہم کرنا ہے۔ کچھ محققین تو اس بات کی طرف چلے گئے ہیں کہ عدلیہ بھی ایک طرح سے انتظامیہ کی مثل ہے کیونکہ عدلیہ کا کام بھی مقننہ کی قانون سازی پر عمل درآمد کرنا ہے۔

"Judicially in his political aspect's judicially applies those rules which legislature formulate".[23]

اگر مذکورہ بالا قول کو اسلامی سیاسیات کے حوالے سے دیکھا جائے تو اسلامی تعلیمات میں پارلیمنٹ سے مقدس قرآن وسنت ہے۔لہٰذا عدلیہ، انتظامیہ اور مقننہ سب کے سب اعضاء قرآن حدیث کے تابع ہیں اور قانون بھی تب برتر ہوگا جب وہ قرآن وحدیث کے موافق بنایا گیا ہو

"The law is supreme and fundamental and all departments, branches and organs of the state are equally subject to it. If there is any dispute between the state organs on any matter. It must be referred to Allah and his Messenger (that is, the Islamic law) for final decision."[24]

ترجمہ: قانون اہم اور بالاتر ہوتا ہے اور ریاست کے تمام شعبے، ادارے اور عناصر اس کے سامنے مساوی ہیں۔ اگر کسی معاملے میں اعضائے ریاست کے مابین کوئی جھگڑا ہو جائے تو انہیں حتمی فیصلہ کیلئے اللہ اور اس کے پیغمبر (یعنی اسلامی قانون) کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

کوئی بھی ریاست اس وقت تک صحیح انداز میں فعال نہیں ہو سکتی جب تک ریاست کے تمام ستون آپس میں ملکر اور اپنے اپنے دائرہ کار میں رہ کر کام نہ کریں۔ اور اگر ریاست کے کسی عضو نے اپنے اختیارات کا غلط استعمال کیا یا پھر دیگر ریاستی اداروں پر حاوی ہونے کی کوشش کی جائے تو وہ ریاست فلاحی ریاست نہیں بن سکت اور نہ ہ ترقی کر سکتی ہے۔ نیز جس ریاست میں ادارے باہمی چپقلش کا شکار ہو جاتے ہیں تو وہ ریاست زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ ریاستی اداروں کے مابین اعتماد کی فضابر قرار رکھنے کے لئے اور ان کو اپنی اپنی حدود میں رہنے کے لئے ان پر کسی نہ کسی اتھارٹی کا ہونا ضروری ہے۔ اداروں کی نگرانی مقننہ کے ذریعے سے اس انداز میں کی جائے کہ مقننہ اداروں کو یرغمال نہ بنائے۔ جبکہ کچھ محققین کی رائے ہے کہ ریاستی اداروں کی نگرانی عدلیہ کے ذریعے کی جائے۔ لارڈ ہنٹ (Lard Hunt) ریاستی اداروں پر عدالتی کنٹرول کو ضروری قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"Parliament makes the laws; the judiciary interpreted them and the judiciary develops the common law. Parliament also confers all manner of powers on the executive and other bodies, and it is for the courts to ensure that those powers are neither exceeded nor abused but exercised lawfully" [25]

ترجمہ: پارلیمنٹ قوانین بناتی ہے، عدلیہ ان کی تشریح کرتی ہے اور اس سے عدلیہ مشترکہ قانون سازی کرتی ہے۔ پارلیمنٹ بطور ایگزیکٹو اور دیگر اداروں کو ہر طرح کے اختیارات عطا کرتی ہے، اور یہ عدالتوں کے لیے ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ اپنے اختیارات سے تجاوز نہ کریں اور نہ ہی ان کا غلط استعمال کیا جائے بلکہ ان کا قانونی طریقہ کا اختیار کیا جائے۔

ڈاکٹر اسرار احمد کا نکتہ نظر ہے کہ صدارتی نظام میں ریاست کے تمام ادارے اپنی اپنی حدود میں رہ کر کام کر سکتے ہیں اور موجودہ پارلیمانی نظام میں ریاست کے ستون ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ کوئی بھی ادارہ دوسرے سے دست وگریبان نہیں ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صدارتی اور پارلیمانی نظام کے تقابل ریاستی اداروں کے کردار کا جائزہ یوں لکھتے ہیں: "صدارتی نظام میں عدلیہ، انتظامیہ اور مقننہ بالکل علیحدہ

ہوتے ہیں۔ انتظامیہ کا سربراہ منتخب ہونے کے بعد مقننہ کا دست نگر نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے وہ اطمینان اور یکسوئی سے انتظامی امور سرانجام دیتا رہتا ہے جب کہ قانون سازی کانگریس کا کام ہے جو کسی خارجی دباؤ کے بغیر اپنا کام کرتی رہتی ہے اور عدلیہ پوری آزادی کے ساتھ آئین و قانون کی حفاظت کی ذمہ داری نبھاتی ہے۔ اس کے برعکس پارلیمانی نظام میں مقننہ اور انتظامیہ گڈمڈ ہوتے ہیں"[26]

مجلس قانون ساز کے تقرر کا طریقہ کار:

خلافت راشدہ کے ادوار کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خلافت راشدہ میں حضرت عمر بن خطاب نے باقاعدہ اور منظم انداز میں مجلس قانون ساز کا تقرر کیا اور عہد فارقی میں مجلس کے ممبران کے تقرر کا اختیار خلیفہ کو حاصل ہے۔ مگر ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے اپنی تحقیق میں لکھا ہے کہ اسلام میں شوریٰ کے اراکین کے تقرر کا کوئی خاص ضابطہ کار نہیں ہے بلکہ یہ زمانہ کے حالات کے مطابق بدل بھی سکتا ہے اس ضمن میں ڈاکٹر وہبہ لکھتے ہیں:

لم یحدد الاسلام طریقة مهنة للشوریٰ تارکاً للمسلمین اختیار ما یرونه مناسباً لظروف عنصرهم لان الاسلام صالح لکل زمان ومکان وحلو خریص علیٰ تحقیق الهدف والنتیجة وان تعددت الوسلیة او الاسلوب۔[27]

ترجمہ: اسلام نے شوریٰ اراکین کے انتخاب کا کوئی خاص طریقہ کار متعین نہیں کیا ہے۔ اور اس کے انتخاب کے طریقہ کار کا مسلمانوں پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے حالات کے موافق کوئی طریقہ اختیار کرلیں۔ کیونکہ اسلام زمانے اور جگہ کے لئے راہنمائی فراہم کرتا ہے اور اسلام کا اصل مقصد تو نتیجہ اور ہدف کو حاصل کرنا ہے۔ چاہے اس سلسلہ میں وسائل اور اسلوب مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔

دنیا بھر کے اداروں میں افراد کے تقرر کے دو طریقہ کار ہیں۔ پہلا کسی کو کسی کام پر تعین کرنا اور مقرر کرنا دوسرا کسی کو منتخب کرنا یعنی رائے کے ذریعے سے کسی کو عہدہ دینا ہے۔ مجلس شوریٰ کے تقرر میں تعین ونامزدگی کا طریقہ اس لحاظ سے تو بہتر ہے کہ مجلس میں اہل علم، مجتہد، دانش مند اور باصلاحیت افراد کو لایا جاسکتا ہے اور پھر تعیین میں جب اہل علم کسی مسئلہ کے متعلق قانون سازی کریں گے تو یہ قانون سازی اعتراض وسقم سے پاک وصاف ہوگی۔ اس ضمن میں بطور مثال اگر سعودی عرب کے مجلس شوریٰ کو دیکھا جائے تو وہاں تعیین ہی کا طریقہ کار ہے۔ 1991ء میں پہلی مرتبہ شاہ فھد بن عبد العزیز نے مجلس شوریٰ کو جدید بنیادوں پر استوار کیا ہے۔ مجلس شوریٰ کی تعیین پر اعتراض کے حوالہ سے سعودی مجلس شوریٰ کے نائب صدر ڈاکٹر عبداللہ بن عمر لکھتے ہیں۔

ما ینتقذ به بعض الناس المجالس الشوریة (البرکانات) بان تشکیلها یتم بالتعیین بدلاً من الانتخاب فهو انتقاد فی غیر محله۔۔۔۔ واو ردان اقول فی هذا العدد ان الشوریٰ فی الاسلام هی وسیلة ولیست نایة فولی الامر بحث عن الرأی الصائب من قبل اهل الحل والعقد والذین لا یتتمون لاحزاب سیاسة أو غیرها۔[28]

ترجمہ: بعض لوگ مجلس شوریٰ پر یہ تنقید کرتے ہیں کہ ان اراکین کا چناؤ انتخاب کے بجائے تعیین کے ذریعے ہوتا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ تنقید محل نظر ہے۔ میں اس ضمن میں یہ بات کرنا چاہوں گا کہ اسلام میں شوریٰ کی حیثیت ایک ذریعے کی ہے نہ کہ بذاتہ مقصود ہے۔ بس حاکم وقت اہل حل وعقد اور ان لوگوں کی مدد سے جو اپنی نسبت سیاسی جماعتوں کی طرف نہیں کرتے۔ صحیح رائے کی تلاش کرتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تعیین کے ذریعے سے اہل علم حضرات ہی مجلس قانون سازی میں شامل ہوتے ہیں مگر یہ مجلس قانون ساز سربراہ مملکت کے تحت ہوتی ہے۔لہذا سربراہ مملکت کی مرضی کے خلاف مجلس قانون ساز میں کوئی قانون سازی نہیں ہوتی ہے۔اس طریقہ کار میں شوریٰ کے اراکین کی تعیین میں سفارش، اقرباپروری اور رشوت وغیرہ کے کئی خدشات جنم لیتے ہیں لہذا یہ طریقہ تو درست نہیں ہے۔

دوسرا عصر حاضر میں جو طریقہ مغربی ممالک اور اکثر اسلامی ممالک میں نافذ ہے وہ شوریٰ کے اراکین کا تقرر بذریعہ انتخاب کرنا ہے مجلس شوریٰ کے ممبران کے لیے جمہوری طریقہ سے ووٹنگ کروانا تو کوئی غلط بات نہیں ہے۔ مگر مجلس شوری کے لئے ہر عام وخاص کو ممبر بننے کی اجازت دینا درست نہیں ہے۔ مگر انتخاب کے مروجہ طریقہ کار میں بہتری لانے کی ضرورت ہے۔اس ضمن میں درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

1:　پارلیمنٹ کے ممبران بننے کے لیے بنیادی شرائط میں تعلیم، بنیادی فقہ کی مہارت، سیاسی انتظام کی فہم وفراست کا تجربہ، عوامی شہرت کا حامل ہونا، حالات حاضرہ سے واقفیت اور باکردار شخصیت کا ہونا ضروری ہے۔

2:　ممبران کی اہلیت جانچنے کا معیار سخت سے سخت ہو تا کہ اہل علم ہی بطور ممبر سامنے آسکیں۔اس ضمن میں قانون سے واقفیت حامل افراد جیسے ایڈووکیٹ اور عالم ومفتیان جیسے منصب پر فائز لوگوں کا انتخاب کیا جاسکے۔

3:　انتخابی طریقہ کار کو آسان بنایا جائے اس ضمن میں عوام میں دھونس، طاقت اور دولت کے اثرورسوخ کی حوصلہ شکنی ہونی چاہئے۔

4:　ممبران کی تعداد میں ہر طبقہ اور ہر علاقہ کے لوگوں کو مناسب نمائندگی دی جانی چاہئے۔

شوریٰ کے ممبران کی صفات:

مختلف ممالک میں ممبران کے تقرر کی مختلف شرائط ہیں۔اس ضمن میں پاکستان میں مجلس شوریٰ کے اراکین کی شرائط درج ذیل آئین پاکستان میں درج کی گئی ہیں: کوئی مجلس شوریٰ کا (پارلیمنٹ) کا رکن منتخب ہونے کا اہل نہیں ہو گا اگر:

الف:　وہ پاکستان کا شہری نہ ہو؟

ب:　وہ قومی اسمبلی کی صورت میں پچیس سال سے کم عمر کا ہو اور کسی انتخابی فہرست میں ووٹر کی حیثیت سے نہ ہو۔

د:　وہ اچھے کردار کا حامل نہ ہو، اور عام طور پر احکام اسلام سے انحراف میں مشہور ہو۔

ہ:　وہ اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ علم نہ رکھتا ہو اور اسلام کے مقرر کردہ فرائض کا پابند نہ ہو، نیز کبیرہ گناہوں سے مجتنب نہ ہو۔

و:　وہ سمجھ دار پارسا نہ ہو اور ایمان دار اور امین نہ ہو۔

ز:　کسی اخلاقی پستی میں ملوث ہونے یا جھوٹی گواہی دینے کے جرم میں سزا یافتہ ہو۔

خ:　اس نے قیام پاکستان کے بعد ملک کی سالمیت کے خلاف کام کیا ہو یا نظریہ پاکستان کی مخالفت کی ہو۔

ط:　وہ ایسی دیگر اہلیتوں کا حامل نہ ہو جو مجلس شوریٰ پارلیمنٹ کے ایکٹ کے ذریعے مقرر کی گئی ہو۔

کوئی شخص مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے رکن کے طور پر منتخب ہونے یا چنے جانے اور رکن رہنے کے لیے اہل ہو گا اگر:

(الف)　وہ فاتر العقل ہو اور کسی مجاز عدالت کی طرف سے قرار دیا گیا ہو یا

(ب) وہ غیر برأت یافتہ دیوالیہ ہو

(ج) وہ پاکستان کا شہری نہ رہے اور کسی بیرونی ریاست کی شہریت حاصل کرے یا

(د) وہ پاکستان کی ملازمت میں کسی منفعت بخش عہدے پر فائز ہو ماسوائے ایسے عہدے کے جسے قانون کے ذریعے ایسا عہدہ قرار دیا گیا ہو جس پر فائز شخص نا اہل نہیں ہوتا یا

(ز) وہ کسی ایسے رائے کی تشہیر کر رہا ہو یا کسی ایسے طریقے پر عمل کر رہا ہو جو نظریہ پاکستان یا پاکستان کی اقتدار اعلیٰ، سالمیت یا سلامتی یا اخلاقیات یا امن عامہ کے قیام یا پاکستان کی عدلیہ کی دیانت داری یا آزادی کے لیے مضر ہو یا جو پاکستان کی مسلح افواج یا عدلیہ بدنام کرے یا اس کی تضحیک کا باعث ہو۔

(ح) وہ کسی مجاز سماعت عدالت کی طرف سے فی الوقت نافذ العمل کسی قانون کے تحت بدعنوانی و اخلاقی یا اختیار یا اتھارٹی کے بے جا استعمال کے جرم میں سزایاب ہو چکا ہو۔[29]

مذکورہ شرائط کا اگر جائزہ لیا جائے تو بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام کی تمام شرائط اسلامی نکتہ نظر سے کلی موافقت رکھتے ہیں۔ صرف اور صرف ان مذکورہ شرائط میں تعلیم کی شرط مفقود ہے کہ مروجہ زمانہ میں کم سے کم کتنی تعلیمی قابلیت کا حامل ممبر بن سکتا ہے۔ اصل میں شوریٰ کے تقرر کے لئے شرائط کا تعین شریعت میں نہیں کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

ان اوصاف میں سے کچھ تو بالکل عمومی نوعیت کے حامل ہیں۔ مثلاً یہ کہ انہیں حکومت اور ریاست کے معاملات کا علم اور بصیرت ہونی چاہیے۔ انھیں دیانت دار ہونا چاہیے لیکن دوسرے اوصاف کے لیے یہاں بھی شریعت نے کوئی بھی شرائط عائد نہیں کیں ہیں۔ بلکہ انہیں ہر دور کے حالات کے مطابق اس دور کے اہل بصیرت پر چھوڑ دیا ہے۔ اہل حل و عقد کا لفظ خود بتا رہا ہے کہ یہ ایسے لوگ ہونے چاہیں جن کی بصیرت اور امانت و دیانت پر امت بحیثیت مجموعی اعتماد رکھتی ہو۔ قبائلی زندگی میں اس قسم کے افراد ہر معاشرے میں متعین جیسے ہوتے تھے۔ ان کے باقاعدہ انتخاب کی ضرورت نہیں ہوتی تھی لیکن موجودہ دور میں وہ صورت حال باقی نہیں رہی اس لئے ایسے لوگوں کے تعین کے لیے باقاعدہ انتخاب کے لئے بھی کوئی انتخابی ادارہ ہونا چاہیے۔ اس بارے میں بھی شریعت نے کوئی سیدھا اور دائمی حکم نہیں دیا ہے۔ اگر ملک میں تعلیم اور سیاسی شعور کا معیار بلند ہے تو بالغ رائے دہی کی بنیاد پر بھی ان کا انتخاب ہو سکتا ہے۔[30]

حزب اختلاف اور حزب اقتدار:

پاکستان سمیت بیشتر جمہوری ممالک میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف ہوتا ہے۔ اسلام میں اختلاف اور حزب اختلاف کی گنجائش ہے مگر اس سلسلہ میں اختلاف برائے حصول اقتدار یا مفادات کے لیے نہ ہو۔ مولانا گوہر رحمن لکھتے ہیں: مسلمان قوم جدوجہد کی طرح ہے اس کو مستقل طور پر حزب اقتدار اور حزب اختلاف میں تقسیم کرنا نہ شریعت کا تقاضا ہے اور نہ عقل و فرد کا تقاضا ہے۔ اسلامی نظام میں حزب احتساب کے لئے مفید ہی نہیں بلکہ ضروری بھی ہے۔ لیکن اختلاف برائے اختلاف یا اختلاف برائے حصول اقتدار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔[31]

قانون سازی کی بہتری، ان میں ملک و ملت کے مفاد کی خاطر اپوزیشن کا مشورہ دینا اور ان سے رائے طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں

مجلس شوریٰ اور سربراہ مملکت کے اختیارات کا دائرہ کار:

پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ حاکم کے لیے شوریٰ کا ممبر ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ شوریٰ کا بنانا حاکم وقت پر فرض ہے۔

الشوریٰ واجبة علی الحاکم قبل ان تتخذ القرار[32]

کسی بھی قرار داد کے پاس ہونے سے قبل شوریٰ کا بنانا حاکم کے لئے ضروری ہے۔ اس ضمن حاکم کے لیے مشورہ ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم فرمایا:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ[33].

ترجمہ: آپ ﷺ ان کے قصور معاف کر دو اور اللہ سے بھی ان کے گناہوں کی معافی کی درخواست کرو، اور معاملات صلح و جنگ میں ان کو شریک مشورہ کر لیا کرو۔ پھر مشورے کے بعد تمہارے دل میں ایک فیصلہ پختہ ہو جائے تو بھروسا اللہ تعالیٰ پر ہی رکھنا، جو لوگ اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں، اللہ ان کو دوست رکھتا ہے۔

اگر حاکم وقت اور مجلس شوریٰ کے اراکین کی رائے میں اختلاف واقع ہو جائے تو اس سلسلہ میں کیا کیا جائے؟۔ اس کا حل مولانا گوہر رحمن یوں بیان کرتے ہیں: مشورہ اگرچہ ہر شہری دے سکتا ہے اور تنقید و محاسبہ بھی کر سکتا ہے لیکن امور مملکت کے فیصلے قوم کے معتمد اور مومنین، عرفاء اور نقباء پر مشتمل مجلس شوریٰ ہی کرے گی۔ اس کا فیصلہ قرآن و سنت اور اجماع امت کے خلاف ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف رائے پیدا ہو جائے تو وہ معاملہ فقہاء اور عابدین پر مشتمل کسی عدالت کے سامنے پیش کرنا ہو گا۔[34]

اس ضمن میں یہ بھی سوال ہوتا ہے کہ اگر شوری کے ممبران کی رائے خلیفہ وقت سے مختلف ہو تو کس کی رائے کو برتری حاصل ہو گی۔ اس تناظر مولانا سید ابوالاعلی مودودی لکھتے ہیں۔ ''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام میں مقننہ (اہل الحل والعقد) کی صحیح حیثیت کیا ہے؟ کیا وہ محض صدر ریاست کی مشیر ہے، جس کے مشوروں کو رد یا قبول کرنے کا صدر ریاست کو اختیار ہے؟ یا صدر ریاست اس کی اکثریت یا اس کے اجماع کے فیصلوں کا پابند ہے؟ اس باب میں قرآن جو کچھ کہتا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانون کے اجتماعی معاملات باہمی مشورے سے انجام پانے چاہئیں (وأمرهم شورى بينهم) اور نبی اکرم ﷺ کو بحیثیت صدر ریاست کے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالی حکم دیتا ہے: وشاورهم في الأمر فاذا عزمت فتوكل على الله، اور ان سے معاملات میں مشورہ کرو، پھر (مشورے کے بعد) جب تم عزم کر لو تو اللہ کے بھروسے پر عمل کرو۔

یہ دونوں آیتیں مشورے کو لازم کرتی ہیں، اور صدر ریاست کو ہدایت کرتی ہیں کہ جب وہ مشورے کے بعد کسی فیصلے پر پہونچ جائے تو اللہ کے بھروسے پر اسے نافذ کر دے، لیکن اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیتیں جو ہمارے سامنے پیش ہے، حدیث میں بھی اس کے متعلق کوئی قطعی حکم مجھے نہیں ملا ہے، البتہ خلافت راشدہ کے تعامل سے علماء اسلام نے بالعموم یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ نظم ریاست کا اصل ذمہ دار صدر ریاست ہے، اور وہ اہل الحل والعقد سے مشورہ کرنے کا پابند ہے، مگر اس بات کا پابند نہیں کہ ان کی اکثریت یا ان کی متفقہ رائے پر ہی عمل کرے، دوسرے الفاظ میں اس کو ''ویٹو'' کے اختیارات حاصل ہیں۔[35]

نتائج:

اسلامی ریاست کے تین اہم ستون ہیں۔ ان میں عدلیہ، مقننہ اور انتظامیہ ہیں۔ ریاست کے اداروں میں مققنہ کو بنیادی اہمیت حاصل

ہے۔ جبکہ عدلیہ اور انتظامیہ تقرر کے لحاظ سے مقننہ کے ماتحت ہے۔ مقننہ وہ ادارہ ہے جس میں ریاست کے لیے حالات کے پیش نظر قانون سازی کی جاتی ہے۔ قانون سازی فرد واحد یا کسی خاص طبقہ کے لئے نہیں کی جاسکتی ہے۔ عصر حاضر کی مروجہ پارلیمنٹ میں قانون سازی کا طریقہ کار تو کسی حد تک اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے۔ اس میں بحث ومباحثہ اور دلائل کے ذریعے ایک دوسرے کو قائل کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ عصر حاضر میں ممبران کے تقرر کے حوالہ سے مختلف آراء ہیں۔ اسلام میں اہل حل وعقد لوگوں کی بیعت کو بہت ہی اہمیت حاصل ہے۔ جبکہ عصری طریقہ کار میں ایک عام شخص جس کی عمر اٹھارہ سال ہو چاہیے وہ فاتر العقل ہی کیوں نہ ہو اسکی اہمیت اور صاحب علم کی رائے برابر ہے۔ اس نکتہ پر علماء نے اعتراض کیا ہے۔ مروجہ پاکستان کی مجلس قانون ساز اسمبلی کے لیے مروجہ پاکستان پارلیمانی نظام میں شرائط تو بہت ہی کڑی ہیں مگر حقیقت میں ان پر عمل نہیں کیا جاتا ہے۔

سفارشات:

مروجہ پارلیمانی نظام میں مجلس شوریٰ میں علماء اور محققین کو خصوصی نمائندگی دی جائے۔ عصر حاضر کے پارلیمانی نظام جس میں وزیر اعظم کا انتخاب مجلس شوریٰ کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں سربراہ مملکت کے لئے مزید انفرادی شرائط ہونی چاہییں تاکہ سربراہ مملکت غیر معمولی خصوصیات کا حامل ہو۔ دینی مدارس اور سرکاری جامعات کے اسلامیات شعبہ کے محققین کو پارلیمانی نظام کو بہتر کرنے کے لیے ٹھوس اور کڑی تجاویز پیش کرنی چاہیں۔

حوالہ جات

---

[1] قاضی، ڈاکٹر مختار، اصول قانون، بیروت دار الکتب العلمیۃ س ن، ص126

[2] Mazhar ul Haq, Theory and practice, Lahore, Bookland publisher, 2003, P 293

[3] Gorden, Stor Theran, our parliament, London, Millbank (Ltd) 1952, P 13

[4] ابن فارس، معجم مقالیس اللغۃ، قاھرہ، دار احیاء الکتب العربیۃ 1366ھ، مادۃ شو، ج2، ص126

[5] ابن العربی، ابو بکر، احکام القرآن، قاھرۃ، عیسی البابی الحلبی، 1968ء، ج1، ص298

[6] شاوی، توفیق، فقہ الشوریٰ والاستشار، مصر، دار الوفاء لطباعۃ والنشر، التوزیع، 1412ھ، ص103

[7] آل عمران 159:3

[8] ابن ماجہ، محمد بن ہرید، سنن ابن ماجہ، بیروت دار الفکر، ج2، ص1223

[9] بیہقی، احمد بن حسین، السنن الکبریٰ، مکۃ المکروہ، دار باز 1414ھ، ج4، ص213

[10] ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن ترمذی، بیروت دار احیاء التراث العربي، ج5، ص125

[11] قشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، بیروت، دار احیاء التراث، ج3، ص1403

[12] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدائیۃ والنھایۃ" بیروت مکتبۃ المعارف، ج6، ص164

[13] عسقلانی، احمد بن علی، فتح الباری بیروت، دار المعرفۃ، ج13، ص342

[14] جزیری، عبد الرحمن، الفقہ علی المذاہب الاربعۃ بیروت، دار احیاء التراع العربی، ج5، ص197

[15] ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، البحر الرائق شرح کنز الا قائق، بیروت، دار المعرفۃ، 1997ء، ج6، ص299

[16] الموسوعۃ الفقھیہ کویتیہ، وزارۃ اوقاف کویت، ج7، ص115

[17] مودودی، سید ابو الاعلیٰ، خلافت و حکومت، لاہور، اسلامک پبلشرز، 1988ء، ص345

[18] شاوی، فقہ الشوریٰ والا ستشارۃ بیروت، دار الوفاء للطباعۃ والنشر، 1412ھ، ص102

[19] مودودی، اسلامی ریاست، ص346

[20] Willam M, Geer, Human Beukema, contemporary foxighGovernment, Rinehart and company ING, Publisher, 1940, P-21

[21] Barnett, Hillarie, understanding public law, new publisher Cavendish Tayir and franci Group, 2010, P-32

[22] Iqbal, Allama, Muhammad, the Reconstruction of religious thought in Islam, Published: institute of Islamic Culture Club Road, Lahore, 1988, P-138

[23] Harman, Judd M, Political thought from plato to present, MC Grace-Hill book company newyork, 1984, P 354

[24] The Encyclopedia of seerah, London, oxford press, 1992, Vol. 1, P. 775

[25] Website, www.theyworkforyou.com/fords,judiciary,legisiature and executive, house of lords debates, 21may2003, P-8

[26] اسرار احمد، ڈاکٹر، خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام، لاہور ص90

[27] زحیلی، وھبۃ، الشوریٰ فی الاسلام، بیروت، دار الفکر، ج2، ص401

[28] Website, www.aawat.com/details.asp?section=17article=606808,issue no, 8350, Abdullah bin umar, Majal-O Majalis-e-Shura,Retrieved Agust 29, 2009

[29] آئین پاکستان، 1973ء، دفعات 62، 63

[30] عثمانی، مفتی تقی، اسلام اور سیاسی نظریات، کراچی، مکتبہ معارف القرآن، 2010ء، ص267

[31] گوہر رحمن، اسلامی سیاست، لاہور، اعتبار بک سینٹر، 1982ء، ص316

[32] عبد القادر، ڈاکٹر، الشوریٰ فی الاسلام، ج2، ص728

[33] آل عمران 159:3

[34] گوہر رحمن، اسلامی سیاست، 200، 298

[35] مودودی، سید ابو الاعلی، اسلامی ریاست، ص353-354